شفیق الرحمٰن کا دریائے لطافت... دجلہ

ڈاکٹر ذوالفقار علی *

Dr. Zulfiqar Ali

Abstract

This research was meant to find out the salient characteristics of the short story "Dajla" by Shafiqur Rehman. This piece of literature is a trend-setter one. He has reflected the beauty of style and skill of his expression. The story contains humour, satire, romance and magical appeal. The writer has portrayed young characters and their natural incilnation towards romance. Moreover, he has shown his potential to peep into light of hope in utter darkness. There is moaning and groaning under the cover of laughters in the short story. However, this pain and the impact of pain is not long-lasting but transitory.

بیسویں صدی عیسوی میں بہت سے سفر نامہ نگار ہمارے ادبی منظر پر نمایاں ہوئے۔ ان میں محمود نظامی، ابنِ انشاء، کرنل محمد خاں، بیگم اختر ریاض الدین، مستنصر حسین تارڑ، عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، اختر ممونکا، شوکت علی شاہ، اسلم کمال اور دوسرے بہت سے ادیب شامل ہیں۔ انہوں نے بہت شگفتہ سفر نامے لکھے اور ان کے سفر ناموں میں نہ صرف خارجی بلکہ داخلہ سفر بھی جذبات و احساسات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے شگفتہ اسلوب کی مدد سے اس صنف کے فروغ اور ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے ایک بہت اہم نام شفیق الرحمن کا ہے جنہوں نے اپنے سفر نامے ''دجلہ'' کے ذریعے جہاں اس صنف میں دلکش اور موثر اسلوب کا اظہار کیا ہے وہاں اپنے مشاہدات اور تجربات کی بدولت ''دجلہ'' کو اُردو ادب کا ایک منفرد اور رجحان ساز سفر نامہ بھی بنا دیا ہے۔ ''دجلہ'' اگرچہ ایک سفر نامے کی حیثیت سے معروف ہے لیکن اپنی شگفتگی، اسلوب کی دلآویزی اور افسانوی طرزِ احساس کی بدولت اُردو ادب میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

شفیق الرحمٰن کا سفر نامہ ''دجلہ'' جو مصر، جرمنی اور عراق کے سفر کی رُوداد ہے اپنی شگفتہ بیانی اور فکر انگیزی کے باعث اُردو سفر نامے کی تاریخ میں اپنی ایک الگ پہچان اور شناخت رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں انہوں نے مختلف کرداروں کے ذریعے جہاں اپنے سفر کے نقوش کو اُجاگر کیا ہے اور سفر نامے کو ایک افسانوی رنگ دیا ہے وہاں انہوں نے دریائے دجلہ کے کنارے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اصغر مال کالج، راولپنڈی

عروج و زوال سے گزرنے والی تہذیبوں کی کہانی کو بھی بڑے موثر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اس سفر نامے میں انہوں نے اپنے مخصوص شگفتہ اور طنزیہ اسلوب میں مختلف تاریخی حقائق کو اس طرح پیش کیا ہے کہ کسی بھی مرحلے پر قارئین کو گرانی اور بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا۔ شفیق الرحمٰن نے اپنے اسلوب اور لطافت کی وجہ سے قارئین کو مسحور کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ بعض ناقدین کے خیال میں ان کی تحریروں میں لطیفوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اگرچہ لطیفوں کی اس کثرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے بیان کیے ہوئے بیشتر لطیفوں کے پس پردہ ہمدردی اور زندگی کے دوسرے خوبصورت رنگ چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے لطیفے بھی اپنی شائستگی کی بناء پر اُردو کے نثری ادب میں اہم اضافہ سمجھے جاتے ہیں۔

شفیق الرحمٰن کے سفر نامہ ''دجلہ'' میں رومانویت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے عشق کی داستانوں کا ذکر بھی چھیڑ دیتے ہیں اور جہاں کہیں کسی خوبرو خاتون کو دیکھتے ہیں اس کے حسن و جمال کو فوراً دل کے ساتھ ساتھ صفحۂ قرطاس پر بھی منتقل کر دیتے ہیں۔ سفر نامہ نگار نے اس سفر نامے میں مزاح کے مختلف حربے استعمال کیے ہیں اور اس کے علاوہ ان کی مجلس آرائی ان کے سفر نامے کا ایک اہم عنصر ہے۔ ان کی پر لطف اور پر مزاح گفتگوئیں بھی اسی مجلسی زندگی کا حصہ ہیں۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے ہیں اور مخصوص نقطے کو ذرا سا موڑ دے کر مسکراہٹیں بکھیرتے ہیں۔ مجموعی طور پر رومانوی طرزِ احساس ان کے ہاں غالب نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھئے:

> ''کبھی وہ عوت نما لڑکی نظر آتی تو کبھی لڑکی نما عورت۔ بہر حال لڑکی وہ کبھی نہیں لگی۔ ہر وقت کے بناؤ سنگھار کی وجہ سے یہ بتانا مشکل تھا کہ کتنے برس کی ہوگی مگر جب اسے غصہ آتا تب چہرہ اصلی عمر کی چغلی کر دیتا۔ لوگوں کو وہ اچھی نہیں لگتی تھی لیکن بری بھی نہ لگتی۔ مقصود گھوڑا کہا کرتا کہ تہمیدہ کی واہی تباہی اور کرخت پن کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ضرور ہے۔ اس کے کزن نے بتایا کہ وہ ایک طرح کا ریکارڈ قائم کر چکی ہے۔ آج تک کسی لڑکے نے بھی اس میں دو تین ہفتے سے زیادہ دلچسپی نہیں لی۔۔۔ پچھلے مہینے جب انہوں نے اپنی سترھویں سالگرہ منائی تو در حقیقت وہ سترھویں سالگرہ کی آٹھویں یا نویں برسی تھی۔ تبھی بیچاری چھوٹی بہن اپنی عمر نہیں بتا سکتی لیکن بالغ ہونے کے لیے کسی نہ کسی روز مجبوراً اسے ملغوبہ سے آگے نکلنا پڑے گا۔''[۱]

شفیق الرحمٰن نے ٹھوس حقائق کو ادبی چاشنی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ بظاہر کھلنڈرے سیاح کے طور پر جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن ان کے ہاں مختلف اقوام کے تہذیبی انحطاط کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ انہوں نے صرف منظر کو دیکھا اور پرکھا ہی نہیں بلکہ اس کے اندر جھانکنے کی سعی بھی کی ہے اور اس طرح انسان کے اندر کے اصل آدمی کو دریافت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جہاں بھی گئے ہیں انہوں نے وہاں کے باشندوں کی نفسیات شناسی کی کاوش بھی کی ہے۔ انہوں نے بعض مناظر ایسے پیش کیے ہیں کہ دورانِ مطالعہ قاری بھی ان سے حظ اُٹھاتا ہے۔ اگر ایسے مناظر کو سنجیدگی سے پیش کیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ اتنا اثر پیدا نہ ہوتا۔ انہوں نے ایسے مناظر کو مزاح کے پردے میں پیش کیا ہے۔ شفیق الرحمٰن دراصل زندگی کے بے حد خوش فکر ناظر ہیں۔ اس ضمن میں یہ منظر دیکھئے:

"انہوں نے ایک الف لیلوی دھن چھیڑی جیسے کوئی فراق زدہ عاشق یا معشوق یا دونوں ازحد کرب کی حالت میں بھوں بھوں رو رہے ہوں۔ سمیعہ کمال کیا آئی طوفان آ گیا زلزلہ آ گیا۔ ساز تھرائے واللہ کے نعرے لگے اور رقص شروع ہوا۔ اس کی انگلیوں میں مجیرے تھے جنہیں وہ بڑی فیاضی سے استعمال کر رہی تھی۔ جو تھوڑا سا لباس اس نے ازرہِ کرم پہن رکھا تھا وہ ملتان کی گرمیوں کے لیے تو موزوں ہو سکتا تھا لیکن قاہرہ کی خنک رات کے لیے غالباً مناسب نہیں تھا۔ مشرقِ وسطیٰ کا یہ رقص خوب ہے۔ اس میں آرٹ کم ہے اور تھرکنا زیادہ، جنبش اتنی تیز کہ نگاہیں ساتھ نہیں دے سکتیں بالکل جیسے کھلونے کو چابی بھر کر چھوڑ دیا جائے۔ پہلے تو وہ آرکسٹرا والوں کے قریب ناچتی رہی پھر میزوں کا رُخ کیا۔ راستے میں ستون آیا تو اس کے گرد تین چار چکر لگا دیئے۔"(۲)

شفیق الرحمٰن کا مزاح شائستہ اور سبک ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے تبسم کی ایک زیریں لہر اُبھرتی ہے۔ یہ تبسم قہقہہ نہیں بنتا۔ قاری ایک مسلسل شگفتگی کے زیرِ اثر پر لطف مطالعہ سے گزرتا ہے۔ شفیق الرحمن کے ہاں تبسم کا قہقہے میں ڈھل جانا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس سفر نامے میں مزاح مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتا نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

"شفیق الرحمٰن کے سفر نامے میں مزاح صورتِ واقعہ سے بھی پیدا ہوا ہے اور اس کی تخلیق میں ان کرداروں نے بھی گراں قدر حصہ لیا ہے جو سفر نامے میں زندگی کا تناظر پیش کرتے، چلتے پھرتے، سانس لیتے اور گفتگوئیں کرتے نظر آتے ہیں۔" (۳)

شفیق الرحمٰن کا مزاح محض قاری کو ہنسانے کی ایک کوشش نہیں ہے۔ وہ ہنسی ہنسی میں بڑی گہری بات کہہ جاتے ہیں۔ وہ زندگی سے کٹ کر ادب تخلیق نہیں کرتے گو کہ ان کے افسانوں میں رومانویت کے اثرات خاصے گہرے ہیں۔ اس کے باوجود حقیقت سے چشم پوشی کا رویہ ان کے ہاں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ ''دجلہ'' میں انہوں نے مزاح پیدا کرنے کی خواہ مخواہ کہیں بھی شعوری کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے سفر کا حال سناتے جاتے ہیں اور ان کے مزاج میں جیسے حسِ مزاح کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے وہ بعض اوقات زندگی کی ناہمواریوں کو بھی تلاش کر لیتے ہیں یا چلتے چلتے ان تک پہنچ جاتے ہیں جو مزاح کی افزائش کا موجب ہوتی ہیں۔

شفیق الرحمٰن کا سفر نامہ ''دجلہ'' عام سفر نامے کے اس چال چلن سے ہٹ کر ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ اس میں غیر ملکی مناظر اور افراد کو نئے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ شفیق الرحمٰن نے اپنے مخصوص اسلوب کے تحت اپنے آزمودہ ہتھیاروں یعنی کرداروں سے مقدور بھر کام لیا ہے۔ ان میں شیطان، حکومت آپا اور مقصود گھوڑے کے کردار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں ۔ اس سفر نامے میں ''دھند'' کو مخصوص انداز کا رومان بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ شفیق الرحمٰن کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے دل کی بات کرداروں کے منہ سے نکلواتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی خوبصورت چہرہ نظر آتا ہے تو وہاں بھی وہ کردار کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتے ہیں۔ دراصل شفیق الرحمٰن کا سفر نامہ ''دجلہ'' زبان اور رویے کے اعتبار سے رومانوی اسلوب کا نمائندہ ہے۔ شاید اسی لیے اس کے اندر دلچسپی کا عنصر بھی موجود ہے۔ یہ رومانوی طرز شفیق الرحمن کی بیشتر تحریروں میں نمایاں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا سفر نامہ ''دجلہ'' بھی افسانوی طرزِ تحریر کے مزاج کے قریب ہے۔ شفیق الرحمن کی تحریر میں ان مسرتوں کا اظہار بھی ملتا ہے جن کی تکمیل شاید ان کی حقیقی زندگی میں ممکن نہ ہو سکی۔ اس طرح ان کے ہاں ناآسودگی کا رنگ بھی ملتا ہے۔ ان کے کردار محبت کے متلاشی ہیں مگر اپنی کیفیت کو محبوب پر ظاہر کرنے میں اس روایتی جھجک کا شکار رہتے ہیں جو مشرقی معاشرے کا خاصہ ہے۔

''دجلہ'' میں شفیق الرحمٰن نے لڑکیوں کے متعلق کرداروں کے ذریعے کہیں کہیں قصے بھی بیان کیے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف قصے ہی بیان کیے ہیں بلکہ لڑکیوں کی نفسیات پر بھی بحث کی ہے۔ اس نفسیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے بعض کردار لڑکیوں کی خوشامد اور ضرورت سے زیادہ مدح سرائی کرتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ نفسیاتی طور پر مرد تعدد پسند ہے اور

بھنورے کی طرح ہر پھول کا رس چوسنا چاہتا ہے۔ سفر نامہ نگار کا عورت کے متعلق یہ خیال بھی ہے کہ عورت سائے کی طرح ہوتی ہے۔ اگر اس کا تعاقب کرو تو آگے آگے بھاگے گی۔ اگر دور ہٹو تو پیچھے پیچھے آئے گی۔ اس سفر نامے میں عورت کی نفسیات کے متعلق بھی فلسفہ نظر آتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ لڑائی یا دولت کی وجہ سے ہوتی ہے یا پھر عورت کی وجہ سے۔ اس سفر نامے میں جنس نگاری کے بھی مختلف نمونے ملتے ہیں جیسے لڑکیوں کی نفسیات پر بحث کے دوران میں جنس نگاری کے نہ صرف تہذیبی اور حقیقی نمونے ملتے ہیں بلکہ جنس کے نفسیاتی پہلوئوں سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جنس نگاری کے آئینے میں یہ اقتباسات دیکھئے:

> ''اس کا عقیدہ تھا کہ ہر لڑکی کو کسی نہ کسی طرح یہ باور کرا دو کہ وہ بے حد حسین ہے اس کے بعد وہ تمہارے بقیہ جھوٹ بھی سچ مان لے گی۔ لیکن ہم اسے اکثر ٹوکتے کہ وہ لڑکیوں سے ملتے ہی انہیں خفا کر دیتا ہے لہٰذا اس کی تکنیک میں ضرور کوئی خرابی ہو گی۔۔۔ جر جیس پھر ہانکنے لگتا۔ ''کل سوزی تمہارے موٹاپے پر فقرے کس رہی تھی۔ میں نے اُسے ڈانٹا اور سمجھایا کہ تم موٹی بالکل نہیں، فقط تمہار اوزن تمہارے قد سے مناسبت نہیں رکھتا۔ بھلا اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟''، ''خبر دار! آئندہ مجھ سے دور رہنا۔ تمہارے اور میرے خیالات بالکل مختلف ہیں''، ''واقعی مختلف ہیں۔ آپ کو شاید لڑکوں میں دلچسپی نہ ہو لیکن اس خاکسار کو لڑکیاں بہت پسند ہیں''۔ (۴)
>
> ''پھر مشورہ دیا کہ اگر ایک لڑکی کے لیے چند مرد آپس میں لڑیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تین چار لڑکیاں ایک دوسری سے جل کر چار پانچ مردوں میں ناچاقی کرا دیں تو قصور مردوں کا ہے۔ بعد میں یہی لڑکیاں آپس میں ملیں گی تو فوراً شیر و شکر ہو جائیں گی اور مرد بیوقوفوں کی طرح دیکھتے رہ جائیں گے لہٰذا آئندہ لڑکیوں کے گروہ میں فالتو باتیں مت کیا کرو''۔ (۵)
>
> ''یہ کیوں لڑ رہے ہیں؟'' دلبر پھر سوال پوچھ بیٹھا۔ ''لڑائی یا تو دولت، جائیداد پر ہوتی ہے یا عورت پر۔ یہاں سب قلاش ہیں اس لیے ایک حسینہ کے لیے لڑ رہے ہیں۔'' اور حسینہ بڑے مزے سے تماشا دیکھ رہی تھی بلکہ مسکرا رہی تھی۔ باقی لوگ اطمینان سے ناچ رہے تھے۔ ''جنہیں مہذب کہا جاتا ہے وہ لوگ عورت کے لیے لڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو طعنے دیتے ہیں، جلی کٹی باتیں، چغلیاں، گری ہوئی حرکتیں، سب کچھ دور دور سے کرتے ہیں لیکن مردکوں سے۔ اس طرح فیصلہ کیا کرتے ہیں''۔ (۶)

شفیق الرحمٰن کو خصوصاً بغداد کے نسوانی حسن نے متاثر کیا۔ وہ ابنِ جبیر کو بھی اس سلسلے میں اپنا ہمنوا سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بغداد سے کئی سیاح گزرے۔ بارہویں صدی میں ابنِ جبیر آیا تو اسے گردونواح میں جگہ جگہ نہریں اور پل ملے مگر بغداد میں زیادہ رونق نہیں تھی۔ باشندے بھی خشک سے لگے لیکن وہ نسوانی حسن سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے... "بغداد میں حسن کی وہ فراوانی ہے کہ خوفِ خدا نہ ہو تو انسان فوراً غلط راستے پر پڑ سکتا ہی"۔(۷)

"دجلہ" میں مشرق اور مغرب کے موازنے کی فضا بھی ملتی ہے۔ سفر نامہ نگار جب غیر ملکی لڑکیوں سے ملتے ہیں تو ان سے گفتگو کے دوران میں اپنے خطے کے رومانی گیتوں پر بھی تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی محبوب کا بھی موازنہ ان کے ہاں ملتا ہے۔ جھوٹے محبوب، مشرقی لڑکی اور ہر جائی کے کردار پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھئے جس میں وہ مشرقی، مغربی، جنوبی اور ایشیائی لڑکی سے ہٹ کر محبوب کے بارے میں یہ خیال پیش کرتے ہیں:

"یہ مشرقی لڑکی کیا ہوتی ہے؟ مشرقی، ایشیائی، جنوبی، مغربی وغیرہ کی اضافت محض دم چھلا ہے۔ لڑکی ہر جگہ ہوتی ہے اور محبوب محبوب ہوتا ہے ہر جائی ہو یا کچھ اور۔"(۸)

"دجلہ" میں رومانویت کا عنصر غالب ہے۔ اس میں شفیق الرحمٰن کے کردار نوعمر ہیں اسی لیے وہ کردار بھی نوجوان ہونے کے باعث رومانوی رویوں کے عکاس ہیں۔ اس سفر نامے میں طلسماتی ماحول کا عکس بھی ملتا ہے یعنی ایسی کیفیت اکثر مقامات پر ملتی ہے کہ جس کردار سے ہم اپنائیت کا احساس رکھتے ہیں اس کی کامیابیوں اور ناکامیوں میں بھی ہم اپنی خواہشات کا عکس دیکھتے ہیں۔ اس کے رنج سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور اس کی مسرت سے کھل اُٹھتے ہیں۔ اس طرح اس سفر نامے میں نفسیاتی کشمکش سے بھی بعض مقامات پر دوچار ہونا پڑتا ہے۔

شفیق الرحمٰن کے ہاں خاص رومانوی اور افسانوی فضا نظر آتی ہے۔ "دجلہ" میں بھی شوخ رنگ بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی تحریروں کے یہ شوخ رنگ ہی ہیں جو قاری کو فوراً متوجہ کرتے ہیں اور پھر قاری آہستہ آہستہ اس دھنک میں کھو جاتا ہے جو شفیق الرحمن کی تحریروں میں جلوہ نما ہے۔ ان کا اندازِ بیان افسانوی اور داستانوی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ کہانی

بیان کرنے کے ہنر سے بھی واقف ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے کہ وہ صحرا کی وسعت، سراب اور تنہائی کو کس خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

"یہ اصلی صحرا تھا جہاں دور دور تک ویرانی ہی ویرانی تھی۔ اوپر مٹیالا آسمان، نیچے ریت۔ اِکے دُکے جھلسے ہوئے درخت اور جھاڑیاں۔ اور ہو کا عالم! میرے ساتھ جو چند آدمی تھی وہ کئی کئی دن کام پر باہر رہتے۔ جب کبھی لاری راشن اور دیگر چیزیں لاتی تو کچھ رونق ہو جاتی ورنہ چاروں طرف ہولناک سناٹا تھا اور دلدوز خاموشی۔ جو میرے لیے بالکل نئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ میں صحرا اور تنہائی سے مانوس ہو تا گیا۔ کچھ فاصلے پر بستیاں تھیں۔ وہاں جانے لگا اور صحرا کے اصلی باشندوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ تب معلوم ہوا کہ جسے میں اُجاڑ ویرانہ سمجھتا رہا وہاں روئیدگی اور زندگی کی کمی نہ تھی۔ جہاں ریت کے تودے تھے وہاں چند فٹ نیچے اچھی بھلی زمین تھی۔ کہیں سرخ چٹانیں تھیں تو کہیں بھوری اور کہیں سیاہ۔ کہیں لاوے کے جمے ہوئے ڈھیر تھے تو کہیں سوکھے ہوئے نالوں ندیوں کی گزر گاہ (جسے مقامی باشندے وادی کہتے)۔ سراب دیکھ دیکھ کر ہر نظارے سے اعتقاد اُٹھ جاتا۔ کبھی بہتے دریا سامنے آجاتے، کبھی جھیلوں کی سطح پر درختوں کا عکس نظر آتا لیکن یہ سب دور دور رہتے۔ قریب جاؤ تو اور آگے چلے جاتے۔ میلوں تک یہ دوڑ جاری رہتی۔ سراب دیکھ کر نہ جانے کیوں ایک شعر یاد آجاتا۔ (جو سراب کے بالکل اُلٹ ہوتا)

بحر ہستی ہے مری نظروں میں اِک دشتِ سراب
ریت کا ہوتا ہے دھوکہ دیکھ کر پانی مجھے

صحرا کی لڑائیوں کو سراب اس قدر پیچیدہ بنا دیتا ہے کہ کبھی محض پانچ چھ جھاڑیاں دشمن کی پوری پلاٹون معلوم ہوتی ہے۔ کبھی چرتی ہوئی بھیڑوں پر دشمن کے Patrol کا گمان ہوتا ہے۔ جہاں فقط تیس چالیس آدمی کئی سو کا جتھہ دکھائی دیتے ہیں وہاں بعض اوقات دشمن کی پوری بٹالین پانچ چھ سو گز سے بھی نظر نہیں آتی۔

کبھی اُفق سے ایک سیاہ بادل اُٹھتا۔ اس سے پہلے کہ آندھی کا شبہ ہو، نصف سے زیادہ آسمان تاریک ہو جاتا۔ کالے مرغولے اٹھلاتے، کھیلتے، یوں آتے جیسے لاتعداد غبارے ہوا میں چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ ان کے نیچے ریت کے ٹیلوں سے بگولے اُٹھتے اور جیسے چاروں طرف ستون ہی ستون اُگ آتے۔ پھر سیٹیاں بجاتے ہوئے تیز جھکڑ

پہلے تو ان ستونوں کو منہدم کرتے۔ اس کے بعد ان ٹیلوں کو بھی اُڑا لے جاتے۔۔۔
غروبِ آفتاب اپنی تمام سادگی کے باوجود بے حد حسین ہوتا ہے۔ پہلے بڑی ساری چمکیلی گیند اُفق کی کسی جھاڑی میں اُلجھ جاتی ہے پھر یکلخت کوئی اسے نیچے کھینچ لیتا ہے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا بادل مغرب سے گزر رہا ہو تو شفق پھولتی ہے۔

اب تارے نکلتے ہیں۔ لرزتے، ٹمٹماتے، سہمے سہمے سے۔ پھر ایک ایسا مختصر وقفہ آتا ہے جس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ شام کا دھندلکا ہے یا صبح کا اُجالا ہے۔ کچھ دیر کے بعد زمین و آسمان روشن ہو جاتے ہیں۔ پہلے بڑے بڑے تارے مشعلوں کی مانند ہالہ بناتے ہیں پھر لاتعداد ننھے منے تارے خودرو پھولوں کی طرح ہر طرف نکل آتے ہیں۔ جوں جوں رات بڑھتی ہے یہ جگمگ جگمگ کرتا چراغاں زمین سے قریب تر ہو جاتا ہے جیسے ہاتھ بڑھاؤ اور تاروں کو چھو لو۔

سب تارے روپہلے نہیں ہوتے۔ کئی نیلے ہوتے ہیں، کئی سبز تو کئیوں سے سرخ رنگ جھلکتا ہے۔ جب سارا صحرا آباد ہو جاتا ہے تو قسم قسم کی آوازیں آتی ہیں۔ ہر طرف زندگی ہی زندگی ہوتی ہے۔ آسمان کا نور چکنے پتھروں اور ریت کے ذروں سے منعکس ہوتا ہے اور چاروں طرف روشنیاں نظر آتی ہیں۔ ساکن روشنیاں، ٹمٹماتی، جھلملاتی روشنیاں اور کچھ ایسی قندیلیں جو بجھ بجھ کر روشن ہوتی رہتی ہیں۔"(۹)

شفیق الرحمٰن نے "دجلہ" میں جو صحرا کی شام اور رات کی مصور کی طرح خوبصورت عکاسی کی ہے قاری خود کو عراق کے لق و دق صحرا میں محسوس کرتا ہے اور سارا منظر اس کی چشمِ تصور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل شفیق الرحمن کا افسانوی اسلوب ہی ہے جو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے۔ شگفتہ اندازِ تحریر اور افسانوی تکنیک شفیق الرحمن کی کم و بیش سب تصنیفات میں موجود ہے اور یہ اُن کے اسلوب کا خاصا شمار ہوتی ہے۔

اہرامِ مصر دنیا میں ایک عجوبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شفیق الرحمٰن نے اہرامِ مصر کی تاریخ فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے بیان کی ہے اور ان کا انداز داستان گو جیسا ہے جیسے رات کی تاریکی میں ایک شمع کے گرد بیٹھے لوگ داستان گو کی اُبھرتی ڈوبتی آواز کو غور سے سن رہے ہوں۔ یہاں پر بھی شفیق الرحمٰن ایک ماہر افسانہ نگار نظر آتے ہیں اور وہ زمانہ انسان کے تصور میں اُبھر آتا ہے جب رزقِ خاک ہونے والے یہ شہنشاہ دھرتی پر اپنی انگشت کے ہلکے سے اشارے سے کئی انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ کر دیتے تھے۔

"یہ حقیقت ہے کہ نہ انسان بدلا ہے نہ اس کی حرکتیں اور اس کی فطرت ... میرے دوست نے ایک عبارت دکھائی جو کسی قدیم مصری کہاوت کا ترجمہ تھی۔
"ہماری کامیابیوں کی وجہ دیوتا ہوتے ہیں ناکامیوں کی وجہ ہم خود ہیں"۔
واقعی یہ سب کچھ چار پانچ ہزار سال پرانا معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ان دنوں بھی لوگوں کو پیروں فقیروں سے یہ خوش فہمی رہتی ہے کہ اتفاق سے کچھ ہو جائے تو پیر صاحب کی کرامات اور اگر نہ ہو تو اپنی بد نصیبی تھی۔
ایک کمرے میں تصویروں سے دکھایا ہوا تھا کہ غیر ملکی لوگ جنگ میں ہاتھی استعمال کرتے ہیں (اور مصریوں کے پاس اس سائز کا کوئی جانور نہیں تھا) لہٰذا رعمیس دوئم کو بہت غصہ آیا۔ جب شام پر حملہ کرنے گیا تو اپنا پرائیویٹ شیر ساتھ لے گیا (ادھر شامیوں کے پاس شیر نہیں تھا)۔ شامی فوج کے سپاہی پہلی مرتبہ شیر کو دیکھ کر اتنا ڈرے کہ فرعون کو نرغے میں لے کر بھی کوئی دشمن سپاہی اس کے قریب نہ آ سکا۔ رعمیس کی فتح دراصل اس کے شیر کی فتح تھی"۔ (۱۰)

"دجلہ" میں ہر مقام پر شفیق الرحمن کا افسانوی انداز جلوہ گر نظر آتا ہے۔ ان کا یہی انداز ہے جو قاری کو فوراً گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری خود کو کسی سحر کی کیفیت میں محسوس کرتا ہے۔ شفیق الرحمن کے سفر نامہ "دجلہ" میں متحرک عکاسی کے ساتھ ساتھ ایک فنکارانہ عکاسی کا عمل بھی نظر آتا ہے۔ مصنف چیزوں کو دیکھتے ہوئے ان کے پس منظر اور باطن میں اُترنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے اور اُس اسرار تک پہنچنے کی بھی بھرپور کوشش کرتا ہے جس نے اس عمارت کو عظیم بنا دیا ہے۔ شفیق الرحمن دریائے نیل اور ڈینیوب کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ اپنے اندر کے دریا کی روانی پر بھی برابر نظر رکھتا ہے۔ وہ ابوالہول اور دوسرے اہرام دیکھ کر ان انسانوں کے کرب تک پہنچ جاتا ہے جن کی پیٹھ پر برسنے والے کوڑے پتھروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے کام آئے۔ جنہوں نے عظمت کے یہ فن پارے تخلیق کیے اور خود غرقِ خاک ہو گئے۔ آج ان کا کوئی نام لیوا نہیں اور فراعین مصر کا نام زندہ جاوید ہو گیا۔ وہ اس تاریخی جبر پر بڑی خوبصورتی سے رائے زنی کرتے ہیں:

"اہرام نے تہذیبوں کا مدوجزر دیکھا ہے۔ تہذیبیں پھیلیں اور مٹ گئیں۔ قومیں اُبھریں اور تباہ ہو گئیں۔ سکندرِ اعظم، جولیس سیزر، عمرو بن العاص، نپولین، فاتح یکے بعد دیگرے آئے اور چلے گئے لیکن اہرام سینہ زمین پر جوں کے توں کھڑے

ہیں ۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ دور قاہرہ کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں ۔ نیچے میدانوں میں دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس دھند کے پیچھے لا تعداد انسان مشقت کر رہے ہیں ۔ رسوں سے بڑے بڑے پتھروں کو کھینچ رہے ہیں۔ ننگی پیٹھوں پر کوڑے برس رہے ہیں۔ پتھروں کو تراشا جارہا ہے۔ اوپر گھسیٹا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ فرعون کا مدفن تیار ہو جائے اور اسے اطمینان ہو جائے کہ وہ غیر فانی بن جائے گا۔ چاندنی میں اہرام کے پتھر چمکتے ہیں تو دیکھنے والا بھول جاتا ہے کہ ان پتھروں میں خون اور پسینہ جذب ہے۔ ان سے وہ ہوائیں کھیلتی ہیں جو آہوں اور سسکیوں سے بوجھل تھیں ۔ فرعونوں کے نام سب جانتے ہیں ۔ ان کی عظمت و جبروت کے تذکرے عام ہیں لیکن ان کروڑوں انسانوں کے متعلق معلومات بہت کم ہیں جو اس عجوبے کے اصل خالق تھے"۔ (۱۱)

شفیق الرحمٰن نے اصل فنکار کے المیے کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ "دجلہ" میں ہر دوسرے تیسرے صفحے پر کوئی شگفتہ اور پر مزاح سطر بھی ملتی ہے مگر "دجلہ" کا مجموعی موضوع سنجیدہ سطح پر تاریخ کا مطالعہ نظر آتا ہے اور اس ضمن میں مصنف کی درد مندی اور انسان دوستی جگہ جگہ موجود ہے۔

شفیق الرحمٰن نے اپنے سفر نامے میں ملکوں کی تاریخ کو کہیں سنجیدگی کے ساتھ اور کہیں ہلکے پھلکے انداز میں بیان کیا ہے۔ جہاں شفیق الرحمٰن شگفتہ انداز اختیار کرتے ہیں وہاں قاری کو کسی تصنع اور مصنوعیت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ یہ عمل فطری اور بے ساختہ نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فوزیہ چودھری یوں رقمطراز ہیں:

"دجلہ کے مضامین میں کہیں کہیں مسکراہٹوں کے عقب سے درد مندی اور پر سوزی بھی اپنی جھلکیاں دکھاتی ہے لیکن اس درد مندی کا تاثر اتنا گہرا نہیں ہے کہ جلد زائل نہ ہو سکے۔ مصنف اگلے ہی لمحے اُداسی کے اس ماحول سے نہ صرف خود نکل جاتا ہے بلکہ پڑھنے والے کو بھی اس ماحول سے باہر نکال لیتا ہے اور ایسے نازک مقامات پر ایک تفریحی نظر ڈالتے ہوئے آگے نکل جاتا ہے، گویا شفیق الرحمن کی تحریریں پڑھنے سے زندگی کرنے اور زندہ رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ زندگی اور زندہ رہنے کا یہ مخصوص رنگ شفیق الرحمن کی تحریروں کا اصل ماٹو ہے"۔ (۱۲)

شفیق الرحمٰن نے ''دجلہ'' میں سبک اور لطیف طنز سے بھی کام لیا ہے اور یقیناً طنز کسی امر کی نفی کرنے کا ایک خوبصورت اور موثر ذریعہ ہے۔ طنز کی مدد سے کسی کام میں یا کسی شخصیت میں موجود خامی کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اس کی ایک خوبصورت مثال اہرامِ مصر کے حوالے سے سامنے آتی ہے جس میں ہمارے ہاں کے تعمیراتی کام پر بڑا خوبصورت طنز کیا گیا ہے:

> ''ویسے مضبوط اور بڑھیا کوالٹی کے اہرام وہی ہیں جو شروع کے فرعونوں نے اپنی ذاتی نگرانی میں بنوائے۔ بعد میں معیار گرتا گیا۔ یہاں تک کہ کئی اہرام ایسے بھی بنے جن میں باہر ذرا سا پتھر لگایا ہے ورنہ اندر ریت اور مٹی ہے۔ یہ ضرور ٹھیکیداروں سے بنوائے گئے ہوں گے''۔ (۱۳)

شفیق الرحمٰن کے سفر نامے میں قاری کو وہ منظر دکھائی دیتا ہے جو ایک فنکار کی آنکھ نے دیکھا اور ایک مشاق ذہن نے اسے الفاظ کے روپ میں ڈھال کر پیش کیا۔ وہ منظر کی کم و بیش ساری جزئیات کو فنکارانہ مشاقی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کا سفر نامہ نہ صرف ایک گزرے ہوئے عہد کو پھر سے قاری کی چشمِ تصور میں لا کر بسا دیتا ہے بلکہ سوچ، فکر اور آگہی کی نئی راہیں بھی کھولتا ہے۔

الغرض شفیق الرحمٰن کا شاہکار ''دجلہ'' پڑھ کر انشاء کے اسلوب کی شگفتگی اور جدتِ طبع کے تمام رنگ آنکھوں میں پھرنے لگتے ہیں اور ''دجلہ'' ہمیں طنز و مزاح کا موجیں مارتا ہوا سمندر اور دریائے لطافت دکھائی دینے لگتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شفیق الرحمٰن، دجلہ، لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص ۸۴-۸۵

۲۔ ایضاً، ص ۸-۹

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۶۴۹

۴۔ شفیق الرحمن، دجلہ، ص ۲۳۷-۲۳۸

۵۔ ایضاً، ص ۲۹۰

۶۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۷۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۸۔ ایضاً ص ۲۵۰

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲، ۳۳

۱۱۔ ایضاً ص ۱۱، ۱۲

۱۲۔ فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، نقدِ ظرافت، لاہور: پولیمر پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۹۸

۱۳۔ شفیق الرحمن، دجلہ، ص ۲۳